شرک کا اصلی سبب

از جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

پچھلے مقالہ میں یہ بات نہایت وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے کہ انسان کی فطرت کے اندر ایک منعم حقیقی کی محبت اور اس کے حمد و شکر کا جذبہ سب سے زیادہ قدیم اور سب سے زیادہ راسخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا ہے اور ہر ابن آدم نے "بلیٰ" کہہ کر اس عہد و اقرار میں شرکت کی ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى، شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ (۱۷۲ - اعراف)

اور یاد کرو جب لیا تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور ان کو گواہ ٹھیرایا ان کے اوپر کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں، بولے ہاں ہم گواہ ہیں۔ یہ اس لیے کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ کیا معلوم اس قسم کا کوئی عہد ہوا ہے۔ ہمیں تو نہ اس "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کی کوئی خبر ہے، نہ اس "بَلیٰ" کی۔ یہ دونوں باتیں محتاج ثبوت ہیں، بالخصوص جبکہ اس کی اہمیت اس درجہ ہے کہ قیامت کے دن بہرشکل یہ عہد ہر ابن آدم پر حجت ہوگا۔ لیکن حیرت ہے کہ لوگوں کو کیا بات نہیں معلوم ہے! ایک انسان پانی کی ایک حقیر بوند کی شکل میں ماں کے پیٹ میں پڑتا ہے۔ ماں، نہیں معلوم کتنے مصائب جھیل کر اور کتنے دکھ اٹھا کر، ۹ مہینے اس کو پیٹ کے اندر ہی پالتی ہے۔ اپنے گوشت و خون سے اس کی پرورش کرتی ہے۔ پھر جان کی بازی کھیل کر، ایک مضغۂ گوشت کی صورت میں اس کو جنتی ہے۔ پھر اپنے

جسم کا ایک ایک قطرہ خون دودھ بنا کر اس کو پلاتی ہے اور برسوں کی جاں کاہیوں کے بعد اس کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ زمین پر چل پھر سکے۔ اس کے بعد باپ کے ایثار، اس کی شفقتوں اور اس کے غور و پرداخت اور تربیت و نگہداشت کا دور آتا ہے جو ایک طویل عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ اس عرصہ میں باپ جو کچھ اپنے لیے چاہتا ہے اُس سے زیادہ بچہ کے لیے چاہتا ہے۔ وہ خود کم کھاتا ہے تاکہ اس کو کھلائے۔ وہ خود تکلیف اُٹھاتا ہے تاکہ بچہ کو آرام پہنچے۔ وہ اپنی جان جوکھم میں ڈالتا ہے تاکہ بچہ خطرہ سے محفوظ رہے۔ ماں باپ کی محبتوں، شفقتوں اور جاں بازیوں کا یہ سلسلہ ہے جو ایک بچہ کو پال کر جوان بناتا ہے۔ اگر اس میں سے ایک کڑی بھی ٹوٹ جائے تو بچہ کی زندگی ہی خطرہ میں پڑ جائے۔ اب فرض کیجیے بچہ جوان ہوا اور والدین بڑھاپے کو پہنچے۔ اب یہ محتاج ہیں اور وہ مستغنی، لیکن بیٹا ان کا کوئی خیال نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص اس کو والدین کے حقوق و فرائض یاد دلائے تو وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ ماں باپ کے کچھ حقوق و فرائض بھی ہیں۔ مجھے اس قسم کے کسی فرض یا ذمہ داری کی کوئی خبر نہیں۔ میں نے اس قسم کے کسی حق کا کبھی اقرار نہیں کیا ہے۔ تو ہر شخص ایسے بیٹے کو کمینہ اور لئیم کہے گا کیونکہ وہ ایک ایسے حق اور ذمہ داری کا انکار کر رہا ہے جس سے زیادہ ثابت اور مسلّم ذمہ داری کوئی نہیں۔ یہ ذمہ داری بر استحقاق کے ساتھ خود بخود لگی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ بغیر تحریم کے نوشتہ، بغیر گواہی کے ثابت اور بغیر مطالبہ کے مسلّم ہے۔ بر استحقاق (Privilege) اور ذمہ داری (Responsibility) کا وہ فطری عہد ہے جس سے زیادہ انسان کو کوئی عہد بھی یاد نہیں۔

اسی بنیاد پر ایک انسان اس عورت کے لیے نان نفقہ اور حفاظت حرمت کا حق تسلیم کرتا ہے جس سے متمتع ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر، آدمی پر اپنے خاندان اور قبیلہ کی حفاظت و نصرت کے فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اسی بنیاد پر ایک شہر کی میونسپلٹی شہریوں کی کمائی میں حصہ دار ہو جاتی ہے۔ اسی بنیاد پر ایک سلطنت اپنی رعیت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے علم و قابلیت، وقت اور آزادی اور جان و مال میں اس کو شریک کریں اور

اگر سلطنت کا وجود کسی خطرے میں پڑ جائے تو اس کے بچاؤ کے لیے سب کچھ قربان کر دیں۔ اب فرض کیجیے ایک شخص ایک عورت کی حرمت کا مالک تو بن بیٹھا لیکن اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری اور اس کے حقوق زوجیت سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس قسم کا کوئی اقرار نہیں کیا ہے۔ یا ایک شہری میونسپلٹی کی سڑکوں پر چلتا تو ہے، اس کے حفظان صحت کے انتظام سے فائدہ تو اٹھاتا ہے، اس کے پارکوں اور چمنوں سے متمتع تو ہوتا ہے، اس کی جلائی ہوئی لالٹینوں سے روشنی تو حاصل کرتا ہے، اس کے قائم کیے ہوئے مدرسوں سے متمتع تو ہوتا ہے لیکن جب اس کے مطالبات کا وقت آئے تو کہہ دے کہ میں اس قسم کی کوئی ذمہ داری تسلیم نہیں کرتا۔ یا اسی طرح ایک آدمی ایک سلطنت کے اندر شہریت کے جملہ حقوق سے متمتع ہو رہا ہے، اس کے امن و عدل سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس کے قانون اور نظام کی بدولت وہ ایک ملکیت کا مالک، ایک بیٹے کا باپ، ایک بیوی کا شوہر، ایک سلطنت کا شہری ہے لیکن جب سلطنت کے مطالبات کا وقت آئے تو وہ جواب دے دے کہ میں اس مطالبے کی ذمہ داری سے بری ہوں۔ میں نے اس قسم کے بار اٹھانے اور اس قسم کی جوکھم میں پڑنے کا کبھی اقرار نہیں کیا تھا۔ تو کیا اس کا یہ جواب صحیح ہوگا؟ بیوی کہے گی یہ عذر غلط ہے جس دن تو نے میری حرمت پر آزادانہ تصرف کیا اور میں نے اپنا جسم تیرے سپرد کیا اسی دن تو نے ان ساری ذمہ داریوں کے لیے مجھ سے ایک میثاق غلیظ کیا ہے اور زبان خلق بیوی کو برحق اور شوہر کو لئیم اور کمینہ قرار دے گی یہی سزا ایک قبیلہ اپنے بزدل اور حق ناشناس فرد کو دے گا، یہی سزا ایک میونسپلٹی اپنے نادہند شہری کو اور ایک حکومت اپنے نمک حرام باشندے کو دے گی۔ اور تمام دنیا اس سزا کو بالکل جائز اور واجبی قرار دے گی کیونکہ ہر استحقاق کے ساتھ ذمہ داری کا لزوم اس قدر بدیہی ہے کہ آسمان کا سورج بھی اتنا بدیہی نہیں ہے۔

یہاں تک کہ اسی استحقاق اور ذمہ داری کے فطری اور ہمہ گیر قانون کی بنا پر ہمارے گھر کی پلی ہوئی مرغی، ہمارے تھان پر بندھے ہوئے گائے اور گھوڑے، ہمارے چمن میں لگے ہوئے پھول اور ہمارے باغ میں اگے ہوئے درخت کے بھی ہم پر حقوق ہیں اور ہم نہایت ہی لئیم آدمی ہوں گے اگر ان کا

انکار کر دیں۔ ہم جس مرغی کے انڈے اور چوزے کھاتے ہیں لازم ہے کہ بلیوں اور کتوں سے اس کی حفاظت کریں۔ ہم جس گائے کا دودھ پیتے اور جس گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں ہم پر حق ہے کہ ہم ان کے گھاس اور دانے کے کفیل ہوں۔ ہم جس پودے کے پھول سے معطر مشام اور جس درخت کے پھل سے لذت اندوز اور خوش کام ہوتے ہیں ہم پر واجب ہے کہ ان کو سینچیں، گوڑیں، کھاد دیں اور سردی کی آفتوں اور تو کی مصیبتوں سے بچائیں۔ ہم ان کے حقوق کا انکار نہیں کر سکتے۔ ہم نے جس دن ان کے وجود سے کسی قسم کی لذت و راحت حاصل کی اسی دن ان کے حقوق کا اقرار کیا ہے۔ یہ استحقاق اور ذمہ داری کا عہد ہے جو ہر نافع اور منتفع میں خود بخود واقع ہو جاتا ہے اور انسان کی فطرت اور دنیا کے معروف میں اس سے زیادہ کوئی چیز اہم اور واجب الاحترام نہیں۔

اب غور کرو کہ جب ہم کو ماں باپ کے حقوق سے انکار نہیں ہے تو ان سے کہیں بڑھ کر اس کا حق ہے جس نے ماں باپ کو بھی پیدا کیا۔ جب ہمارے لیے بیوی کے حقوق سے انکار کی گنجائش نہیں ہے تو اس کے حق سے کیسے انکار ممکن ہے جس نے مرد کی سکینت کے لیے عورت کو وجود بخشا۔ جب ہم خاندان اور قبیلہ، بادشاہ اور سلطنت کا حق مانتے ہیں اور اس کو ایک معاہدۂ عمرانی کا درجہ دیتے ہیں تو وہ جس نے خاندان و قبیلہ کو وجود بخشا، جس نے بادشاہ اور سلطنت کی شیرازہ بندی کے لیے انسانی فطرت کے اندر عصبیت کی چسپیدگی اور اجتماعیت پسندی کی پیوستگی بخشی ان سے کہیں بڑھ کر اس بات کا حق دار ہے کہ ہم اس کے عہد ربوبیت کا اقرار کریں۔ جب ہم مرغی اور بلی تک کا حق مانتے ہیں، گائے اور گھوڑے تک سے ایک خاموش معاہدۂ استحقاق و ذمہ داری کا اعتراف کرتے ہیں تو آخر اس کے عہد سے ہمیں کیوں انکار ہو جس نے گائے اور گھوڑے، دشت و چمن، دریا اور پہاڑ، سورج اور چاند، ہوا اور پانی، آگ اور مٹی سب کو وجود بخشا اور سب کو ہماری ہستی کے قیام کے لیے سازگار اور نفع رساں بنایا![1]

[1] یہاں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ گیتا میں اس شخص کی مثال چور سے دی گئی ہے جو خدا کی نعمتوں سے فائدہ تو اٹھاتا ہے لیکن اس کے لیے قربانی نہیں کرتا

پس یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ انسان کو اس قسم کے کسی عہد کا علم نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس عہد سے عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہم پچھلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنی محبت اور طلب کا جذبہ دے کر اس کی راہ میں خوف اور طمع، رغبت اور رہبت کے بہت سے عقبات ڈال دیے ہیں تاکہ اس کے اختیار و آزادی کا امتحان ہو اور ہر شخص اپنی ہمت و قابلیت کے اعتبار سے خدا کے ہاں درجہ اور عزت حاصل کر سکے۔ یہی عقبات ہیں جو طالب صادق اور بوالہوس کے درمیان امتیاز کی کسوٹی ہیں۔ جو اہل ہمت ہیں وہ تو ہر پست و بلند اور سہل و صعب کو طے کرتے ہوئے خدا تک پہنچ کر ہی دم لیتے ہیں۔ نہ راہ کے کسی خطرے کی پروا کرتے ہیں نہ کسی طمع کی طرف ملتفت ہوتے ہیں۔ وہ اپنی فطرت کی صدائے جرس سنتے ہیں اور اس کی کشش انھیں اتنی مہلت بھی نہیں دیتی کہ وہ تلوے کے آبلوں اور کانٹوں کی جلن اور چبھن کا خیال کر سکیں۔ لیکن جو پست ہمت اور رذیل ہوتے ہیں وہ ان عقبات میں سے کسی عقبہ کے پاس ہمت ہار کے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہی دنائت ہے جو در اصل غیر اللہ کی بندگی کا اصل سبب ہے اور یہ سبب عدمی ہے یعنی انسان اپنے درجے اور علوئے منصب کا خیال نہیں کرتا اور جہاں کوئی گھنی چھاؤں یا کوئی خطرہ دیکھتا ہے وہیں کمر کھول کے بیٹھ جاتا ہے۔ یہ دنائت جن گوناگوں شکلوں میں ظاہر ہوئی ہے ان کی تفصیل بہت طویل ہو گی۔ ہم ذہن میں اس کا تصور پیدا کرنے کے لیے صرف اجمالی تذکرہ پر کفایت کریں گے۔

سب سے پہلے اس بات پر غور کیجیے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات کے اندر ایک چھوٹی سی بادشاہی بخشی ہے۔ اس کے وجود کی تقویم اس طرح فرمائی کہ اس کو بہترین قابلیتوں اور بہترین قوتوں سے آراستہ کیا۔ اس کو کھانے پینے، اوڑھنے پہننے، بیوی بچے، گھر گرستی کی خواہشیں دیں تاکہ ان خواہشوں کی تحریک سے وہ اپنی بقائے ذات و بقائے نوع کی قابلیتوں کو بروئے کار لا سکے۔ اس کو عقل عنایت فرمائی جو خیر و شر میں امتیاز کرنے والی ہے۔ دل عنایت فرمایا جو بلند ارادوں کا مخزن ہے۔ روح عنایت فرمائی جس میں اپنی طلب اور جستجو ودیعت کی اور ان سب پر اس کو اختیار بخشا کہ وہ ان سب پر حکومت کرے اور ان کو اپنے رب کی رضا کی راہ

میں استعمال کر کے خدا کے یہاں بلند سے بلند مرتبہ حاصل کرے لیکن اس نے دیکھا کہ اس کو جتنی چیزیں ملی ہیں اُن میں خواہشیں سب سے زیادہ لذیذ ہیں۔ ان کی لذت نقد اور ان کا نفع عاجل ہے۔ پس وہ ان کا اس درجہ گرویدہ ہوا کہ اس نے اپنی ساری سلطنت ان کے حوالے کر دی۔ اس نے اپنے حواس خمسہ کو حکم دے دیا کہ وہ خواہشوں کی اطاعت کریں اور جو کچھ انھیں مطلوب ہے صرف اس کی تلاش میں اپنے آپ کو سرگرم رکھیں۔ اُس نے عقل کی عدالت معطل کر دی تاکہ ان خواہشوں کے خلاف کوئی مرافعہ نہ ہو سکے۔ اس نے دل کو بھی ان خواہشوں ہی کے تصرف میں دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بس وہ بطن و فرج کا بندہ بن کے رہ گیا۔ اس کی مثال اس بادشاہ کی ہو گئی جو اپنی کسی لونڈی پر اس درجہ فریفتہ ہو جائے کہ اپنے آپ کو اور اپنی پوری مملکت کو اس کے امر و نہی کے حوالے کر دے اور اس کی سلطنت کے تمام شرفاء و علماء اور مدبرین ملک اعضائے سلطنت اس لونڈی کے غلام بن کر رہ جائیں۔ یہ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ کی صورت ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ انسان کی فطرت نہیں بلکہ اس کی دناءت کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ماں باپ بنائے، بیوی بچے بخشے، خویش و اقارب دیے، کنبہ و خاندان اور قبیلہ و قوم کی جمعیت بخشی، مال و جائداد عنایت فرمائی، جانوروں کے گلے دیے، تاکہ انسان ان کے اندر اور ان کے ذریعہ سے اپنی ان مدنی و اجتماعی قابلیتوں کو بروئے کار لائے جو اس کے اندر ودیعت ہیں اور اس مدنیت فاضلہ کی تخلیق کرے جس کا وہ خدا کا خلیفہ ہونے کی وجہ سے اہل ہے لیکن انسان نے ان سارے وسائل مقصد کو اصل مقصد بنا لیا۔ وہ باپ ماں کی محبت میں ایسا مستغرق ہوا کہ اس نے پدر پرستی کی بنیاد ڈال دی، بیوی بچوں کی محبت میں ایسا گرفتار ہوا کہ خدا اور اس کے حکموں کو بھول گیا، کنبہ و خاندان و قبیلہ و قوم کی عصبیت میں ایسا پھنسا کہ ان کے لیے خدا اور اس کے رسولوں سے بغاوت کی۔ یہاں تک کہ اس محبت کے غلو میں اس نے آباء پرستی اور قبائلی دیوتاؤں کی پرستش شروع کر دی۔ وہ مال و جائداد کے عشق میں ایسا مبتلا ہوا کہ انہی کو معبود خیال کرنے لگا۔ حد یہ ہے کہ جن جانوروں کو اس نے نافع پایا ان کو بھی اس نے دیوتا بنا لیا۔ گائے، بیل،

ہاتھی گھوڑے وغیرہ سب اسی طرح دیوتا بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں بطور مرکب اسے عنایت کیں ان کو اس نے راکب بنا لیا اور جو چیزیں بطور کمند کے دیں کہ ان کے سہارے سے خدا تک پہنچ سکے ان کمندوں کو اس نے اپنے پاؤں اور گردن میں پھندا بنا کر ڈال لیا۔

اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں ایسی بخشی ہیں جو انسان کے لیے یکسر نفع ہی نفع تھیں۔ اپنی نفع رسانیوں کے عوض میں، بیوی بچوں، قوم و قبیلہ اور گائے گھوڑے کی طرح آدمی سے کسی حق اور ذمہ داری کا مطالبہ نہیں کرتی تھیں۔ مثلاً سورج، چاند، ستارے، قوس قزح، ابر، ہوا، آگ، پانی، زمین، دریا، پہاڑ، فضا کی چڑیاں وغیرہ۔ یہ اس لیے کہ انسان ان کے وجود سے متمتع ہو اور ان کے حقوق کی ذمہ داریوں سے بالکل بے فکر رہ کر اپنے اوقات صرف رضائے مولیٰ کے کاموں میں مشغول رکھ سکے لیکن انسان نے جب دیکھا کہ اتنے نافع ہونے کے باوجود یہ اس سے کسی عوض کے طلبگار نہیں ہیں تو ان کی اس صفت کی فیض رسانی پر ایسا ریجھا کہ ان میں سے ہر نعمت کو اس نے منعم کا درجہ دے کر اس کی عبادت شروع کر دی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اپنے کسی مقرب خاص کو بہت سے غلام اور لونڈیاں عنایت کرے اور ان کی ساری ذمہ داریاں بھی اپنے سر لے لے تاکہ وہ مقرب خاص اپنی اور اپنے خدام کی ساری ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش رہ کر اپنی ساری توجہ صرف سلطنت کے امور مہمہ پر صرف کر سکے لیکن وہ مقرب خاص ان غلاموں اور لونڈیوں کی اس بے مزد و صلہ خدمات پر اس طرح ریجھ جائے کہ ان ہی کو بادشاہ تصور کر کے ان ہی کی بندگی اور اطاعت کرنے لگ جائے اور بادشاہ اور اس کی سلطنت کو بالکل بھول جائے۔

اسی طرح بہتوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی بارش کی۔ ان کو ملک و مال دیا، عزت و رتبہ بخشا، تخت و تاج عنایت کیا تاکہ ان کو آزمائے کہ وہ اس کی بندگی کرتے ہیں یا اس سے بغاوت، زمین پر اس کا قانون چلاتے ہیں یا اپنا، عدل و امن پھیلاتے ہیں یا ظلم و فساد۔ لیکن انھوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ سب کچھ ان کے استحقاق و قابلیت کا ثمرہ ہے، تکبر کیا اور بندگی کی جگہ خدائی شروع کر دی۔ کوئی یہ سمجھ بیٹھا کہ ہم خدا کے اوتار ہیں جیسے مصر کے

اوتار بادشاہ (God Kings) اور ہندوستان کے قدیم سلاطین۔ اکبر کو بھی اس کے جاہل اور خوشامدی درباریوں نے اسی قسم کے خبط میں مبتلا کر دیا تھا۔ کوئی اپنے تئیں آسمانی مخلوق خیال کرنے لگا مثلاً چین وغیرہ کے بادشاہ۔ مصر میں پہنچ کر سکندر بھی اسی مرض میں مبتلا ہو گیا اور اپنا ملک، اپنا قانون، اپنا فرمان، یہ تو ان ملوک و سلاطین کی ایک عام بیماری ہمیشہ سے رہی ہے جس سے بہت ہی کم خوش قسمت بچ سکے۔ ان طاغوتوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی بادشاہ اپنے کسی غلام کو کچھ خدم و حشم دے کر اپنی مملکت کے کسی علاقہ میں انتظام پر مامور کرے اور وہ غلام خدم و حشم پا کر ایسا بدمست ہو کہ وہاں پہنچ کر اپنی بادشاہی کا علم گاڑ دے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بہتوں کو اس طرح کی ذمہ داریوں سے سبکدوش رکھا اور یہ بھی اس کی ایک بہت بڑی نعمت تھی اور مقصود اس سے انسان کے صبر و رضا کا امتحان تھا کہ دیکھے کہ لوگ طمع دنیا میں پھنس کر خدا کے ان باغیوں ہی کو معبود بنا لیتے ہیں یا اپنے خشک نوالوں پر قانع رہ کر اپنی فطرت کے عہد پر قائم رہتے ہیں۔ لیکن بہتیرے اس امتحان میں پورے نہیں اترے اور خدا کی جگہ اس کے باغیوں ہی کے تقرب کے طالب ہوئے اور ان کے لیے تذلل اور تعبد کی وہ ساری رسمیں بجا لائے جو رب کائنات کے سوا کسی کے لیے بھی موزوں نہیں ہو سکتیں۔ ان ہی لوگوں نے خدا کے ان باغیوں کو ان کی زندگی میں خداوند نعمت، ان داتا وغیرہ بنایا اور مرنے کے بعد ان کے مقبرے، اسٹیچو اور بت تعمیر کرائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے بندوں پر روحانی برکتیں نازل کیں، بعض کو اپنا سفیر و پیغمبر بنایا۔ اللہ کے ان خالص و مخلص بندوں نے کبھی غیر اللہ کی بندگی کی دعوت نہیں دی لیکن کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان کے دنیا طلب مریدوں اور ان کی محبت کے جھوٹے مدعیوں نے بیشتر اپنے دنیادی اغراض کے لیے ان کو لے جا کر خدا کی صف میں بٹھا دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور بہت سے اولیاء و مشائخ اس طرح خدا کے شریک بنا دیے گئے۔

اسی طرح سیاسی و معاشرتی اغراض دنیہ بھی اکثر شرک و بت پرستی کے باعث ہوئے۔ قدیم تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی قوموں نے دوسری قوموں کے بت، محض ان کے ساتھ سیاسی تعلقات

استوار رکھنے کے لیے پوجے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ فاتح قوموں نے مفتوح قوموں کی دلجوئی کے لیے ان کے بتوں کو اپنے معبدوں میں جگہ دی۔ ہندوستان میں اکبر نے اسی مقصد سے بہت سی خفیف الحرکتیاں کیں۔ قریش نے خانہ کعبہ کو تمام قبائل عرب کے بتوں کا معبد اعظم بنا دیا تاکہ اس طرح تمام قبائل عرب پر اپنی سیادت قائم رکھ سکیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی بارہا اس قسم کے رذیل مقاصد کے لیے پڑوس کی مشرک قوموں کے بُت پوجے۔ اور یہ تو ان کی تاریخ کی ایک عام حکایت ہے کہ انھوں نے مشرک قوموں کی عورتوں سے شادیاں کیں اور ان کے ساتھ ان کے اصنام اور ان کے مشرکانہ عقائد و رسوم بھی اپنے گھروں میں لائے اور پھر ان سے جو اولادیں پیدا ہوئیں وہ بھی لازماً شرک پر اٹھیں۔ مسلمانوں پر انگریزوں اور مغربی قوموں کے غلبہ اور ہندوؤں کے ساتھ اشتراک ارتباط کی وجہ سے جو اثرات پڑے، پڑ رہے ہیں (اور اگر حالات نہ بدلے تو) پڑیں گے وہ ہر واقف حال کے سامنے ہیں۔

یہ چند مثالیں طمع و رغبت کے عقبات کی بیان ہوئیں۔ اب چند مثالیں عقبات خوف کی لیجیے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں جو چیزیں ضرر رساں، خطرناک، ہولناک نظر آئیں انسان نے ان کو بھی خدائی میں شریک بنا لیا۔ انسان اپنی بے اعتدالیوں، گندگیوں اور کاہلیوں کی سزا کے طور پر بیماریوں میں مبتلا ہوا۔ یہ اس لیے کہ انسان اعتدال، طہارت اور مستعدی کے اس نقطۂ کمال تک ترقی کرے جو اس کے احسن تقویم میں پیدا کیے جانے کا مقتضیٰ ہے۔ لیکن انسان کے نفس پر اعتدال کی پابندیاں، صفائی کی احتیاطیں اور مستعدی کی زحمتیں شاق گذریں۔ اس نے سہولت اسی میں دیکھی کہ ان بیماریوں کے اندر روحیں مان کر ان کی دہائی دینے لگا، اور ان کو نذریں اور قربانیاں پیش کرنے لگا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی شخص کو کسی پتھر سے ٹھوکر لگ جائے اور وہ بجائے اس کے کہ آئندہ آنکھیں کھول کر چلے اور اور جلد بازی سے احتراز کرے، ٹھوکر لگانے والے روڑے کے پاس ایک مندر بنا کے اس کے سامنے

ڈنڈوت شروع کر دے۔ یا ایک شخص کے کپڑوں میں جوئیں پڑ جائیں اور اس کو ستائیں لیکن نہانا اور کپڑے دھونا اس کو شاق ہو تو ان کے دفع کرنے کی یہ تدبیر کرے کہ ہر صبح کو ان کی جے پکارنے لگے۔

اسی طرح انسان نے دیکھا کہ سانپ ڈستے ہیں، بچھو ڈنک مارتے ہیں، شیر بھیڑیے پھاڑ کھاتے ہیں۔ خدا کی ان مخلوقات میں جہاں بہت سی حکمتیں ہیں وہاں ایک بہت بڑی حکمت یہ بھی تھی کہ یہ انسان کو مدنیت، اجتماعیت، اور نظافت کی اعلیٰ قابلیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے محرک کا کام دیں کہ وہ جنگلوں کو صاف کر کے میدان بنائے، پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے، انفرادی زندگی ترک کر کے مدنی و اجتماعی زندگی اختیار کرے اور اپنے دشمنوں کو دفع کرنے کی عقلی و جسمانی قابلیتوں کو فروغ دے۔ اگر یہ درندے اور اژدہے نہ ہوتے تو انسان خود ہی درندوں کے بھٹوں اور اژدہوں کے غاروں میں رہنے والی ایک مخلوق بن جاتا اور مدنیت کے یہ سارے جلوے جو آج نظر آ رہے ہیں ظہور میں نہ آتے۔ لیکن جن انسانوں کو یہ تبدیلی شاق معلوم ہوئی اور وہ جس حال میں تھے اسی میں انھوں نے رہنا چاہا۔ انھوں نے جنگل کے ان دیوتاؤں کی پرستش شروع کر دی کہ اس طرح ان کو راضی رکھ کر ان کے خطرات سے مامون رہ سکیں۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی کاہل الوجود انسان کسی گندی جگہ میں گھر گیا ہو یا کسی دھوئیں بھرے ہوئے مکان کے اندر بند ہو گیا ہو اور اس کی قوتِ شامہ اور اس کے تنفس کا دباؤ اسے مجبور کرے کہ وہ باہر کسی کھلے ہوئے میدان میں اور تازہ ہوا میں نکلے لیکن اس کی کاہلی اس سے مانع ہو اور وہ غلاظت کے ڈھیر یا دھوئیں کی عبادت شروع کر دے کہ اے غلاظت کی روح اور اے دھوئیں کے دیوتا! مجھ پر ترس کھاؤ! تمھاری دہائی ہے!

اسی طرح قدرت نے، جو ہر گوشہ میں رحیم و مہربان واقع ہوئی ہے، کبھی کبھی اپنے عدل کے پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے زمین کو ہلا دیا، کبھی پہاڑوں سے آگ برسا دی، کبھی ہواؤں کو طوفان بنا دیا، کبھی آسمان سے بجلیاں گرا دیں تاکہ انسان خدا کی رحمت کے غرہ میں اس کے عدل کو نہ بھول بیٹھے بلکہ اس کی نعمت کو بھی یاد رکھے کہ اگر اس میں طغیان پیدا ہوا تو خدا ان ہی چیزوں میں سے جو اس کی نفع رسانی کے لیے ہر وقت سرگرم

کارہیں، جس چیز کو چاہے گا اس کے لیے سرکش بنا دے گا لیکن انسان بجائے اس کے کہ ان تازیانوں کے ڈر سے خدا کی طرف بھاگے وہ ان تازیانوں ہی کی طرف بھاگا اور جس طرح اس نے نعمتوں کو منعم کی حیثیت دے دی تھی اسی طرح اس نے نقمتوں کو منتقم کا درجہ دے دیا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ جس نے اپنی رعیت کو ہر طرح کا امن وچین دے رکھا ہے، کبھی کبھی اپنی افواج قاہرہ کا مظاہرہ کرے کہ رعایا یاد رکھے کہ جس بادشاہ کے پاس امن وراحت کے یہ سامان ہیں اس کے قبضۂ قدرت میں تادیب وتعذیب کی یہ قوتیں بھی ہیں۔ لیکن رعایا یہ کرے کہ ان قوتوں ہی کو بادشاہ بنا کر ان ہی کی تعظیم وبندگی کرنے لگے۔

اسی اصول پر وہ لوگ بھی معبود بن گئے جن کو ان کی سرکشی اور طغیان کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس لیے مہلت دی کہ وہ اپنی اجلِ مقدر کو پہنچ جائیں، نیز ان کے ذریعہ سے ان لوگوں کی جانچ ہو سکے جو اُن کے کسی نوعیت سے زیردست ہیں کہ وہ اپنی روح کے عہد پر قائم رہتے ہیں یا اپنے جسم وتن کے مفاد پر اس عہد کو قربان کر دیتے ہیں۔ اس زمرہ میں شیاطین الانس اور شیاطین الجن دونوں شامل ہیں اور دنیا کی پوری تاریخ میں یہ قانونِ امہال وسنتِ ابتلاء نمایاں ہے۔ قارون، ہامان، فرعون، ابولہب، ابوجہل اور دنیا کے تمام جبابرہ وشیاطین اس قانون کی ایک صف میں ہیں اور نوح، ابراہیم، موسیٰ، محمد علیہم السلام اور اللہ کے تمام صالح اور مخلص وموحد بندے اس کی دوسری صف میں۔ یہ کشمکش ابتدا سے جاری ہے اور قانونِ الٰہی کے مطابق قیامت تک جاری رہے گی۔ کتنے ہیں جو اپنی رُوح کے تقاضے کو جانتے ہوئے کسی طمع یا کسی اندیشے سے ان جابرہ اور طاغوتوں ہی کی عبادت شروع کر دیتے ہیں اور انہی کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں۔ لیکن کچھ خدا کے ایسے بندے بھی نکلتے ہیں جو کسی حال میں بھی اپنے خدا اور اپنی روح سے شرمسار نہیں ہوتے اور خدا کے عہد پر قائم رہتے اور دوسروں کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شر کے اسی خوف نے شر پرستی کو ایک مستقل دین بنا دیا اور مجوسیوں نے خیر وشر کے دو خدا قرار دیکر دونوں کی پرستش اختیار کی۔ اور ہندوؤں نے دنیاوی سلطنتوں کے ڈھنگ پر زندگی بخشنے والے، زندگی کی

حفاظت کرنے والے، اور زندگی لینے والے کی ایک تثلیث قائم کر دی۔ ایران و ہندوستان کی قوموں میں زمانۂ قدیم سے فلسفہ کا ذوق غالب رہا ہے اس وجہ سے انھوں نے اپنی حماقتوں پر فلسفہ کا روغن مل دیا ورنہ ان کا اصل سبب بھی وہی دنارت ہے جو مختلف بھیسوں میں ظاہر ہوئی ہے اور ہر بھیس میں یکساں نفرت انگیز اور گھنونی ہے۔ تعجب ہے کہ ان قوموں پر فلسفہ کے غلبہ کے باوجود کائنات کے اضداد کے اندر توافق کا راز واضح نہ ہو سکا حالانکہ اس کے ہر تضاد کے اندر وہی وحدت مقصد مضمر ہے جو زوجین میں ہوتی ہے اور قرآن نے اس کو گوناگوں شکلوں میں بیان کیا ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ ہمارے رسالہ توحید میں آئے گی۔

یہ چند مثالیں محض رہنمائی کے لیے بیان ہوئی ہیں۔ آپ بت پرستی کی کوئی تاریخ اٹھا کر اس نقطۂ نظر سے پڑھ ڈالیے، آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ غیر اللہ کی عبادت و طاعت، خواہ وہ مردہ خداؤں کی پوجا کی شکل میں ہو یا زندہ خداؤں کی بندگی کی صورت میں نتیجہ ہے صرف انسان کی دنارت کا۔ اسی دنارت کی ایک شکل تقلید اعمیٰ بھی ہے۔ انسانوں کے ایک بڑے حصے نے نہ تو کبھی خود حقیقت پر غور کیا نہ دوسرے غور کرنے والوں اور خدا کے بھیجے ہوئے بندوں کی دعوت پر غور کیا۔ انھوں نے باپ دادا کو جس ڈھرے پر پایا اسی پر آنکھیں بند کر کے چلتے رہے۔ ان کو یہ کام بڑا مشکل معلوم ہوا کہ باپ دادا کے رستہ سے کوئی الگ راہ نکالیں۔ لیکن اگر انسان جانور نہیں ہے بلکہ ایک عاقل اور صاحب اختیار و ارادہ مخلوق ہے تو جانور بن جانا اور اپنی عقل کو معطل کر دینا اس کی دنارت ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

یہ سطریں لکھتے وقت ہم اس امر سے غافل نہیں ہیں کہ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جو طریقۂ آبا کے اندھے مقلد نہیں تھے۔ انھوں نے روش قدیم میں بہت کچھ تبدیلیاں پیدا کیں اور اپنے فکر و نظر کے زور سے وقت کے رجحانات کا رُخ پھیر دیا۔ بہتیرے ایسے بھی ہوئے جنھوں نے اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ بعض ہمت وروں نے تو زہر کا پیالہ تک پی لیا۔ تاہم توحید کا راز ان پر نہ کھل سکا اور وہ انھی ضلالتوں میں بھٹکتے رہے جن میں ان کی پوری قوم بھٹک رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں اکثر

ایسے تھے جو بہت سے عقبات طے کرنے کے باوجود قوم پرستی کے عقبہ کو عبور نہ کر سکے اور توحید خالص تک پہنچنے کے لیے یہ شرط ہے کہ آدمی کوئی تسمہ لگا نہ چھوڑے۔ اور یہ سعادت یا تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے یا ان لوگوں کو جو ان کی پیروی کی ہمت کریں اور اللہ کی طرف سے اس کی توفیق پائیں۔

اوپر ہم نے شرک کا جو سبب بیان کیا ہے قرآن مجید اور قدیم صحیفوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ قرآن میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ)۔ ظلم، عدل کا ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی کی حق تلفی کرنا۔ اوپر ہم یہ بات تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ انسان پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پس اس کے حق میں کسی کو ساجھی قرار دینا لازماً سب سے بڑے حق کو تلف کرنا ہے، اسی وجہ سے یہ ظلم عظیم ہوا۔ اور حق تلفی کا ونارت ہونا بدیہی ہے۔ اور جس درجہ کی حق تلفی ہوگی اسی درجہ کی ونارت بھی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم صحیفوں میں مشرک کو چھنال عورت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ "خداوند خدا غیور ہے، جس طرح تم یہ نہیں پسند کرتے کہ تمہاری بیوی غیر کی بغل میں سوئے اسی طرح وہ یہ نہیں پسند کرتا کہ اس کا بندہ غیر کی بندگی کرے"۔ یہ تشبیہ بنی اسرائیل کے صحیفوں میں بار بار آئی ہے۔ قرآن مجید کی پاکیزگیٔ بیان نے اس تشبیہ کو بعینہٖ تو نہیں اختیار کیا لیکن اس کے مفہوم کو نہایت خوبی کے ساتھ لیا ہے۔ چنانچہ بعض جگہ قرآن میں مشرک اور زانی اور مشرکہ اور زانیہ کو ایک ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ نور میں فرمایا ہے اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (زانی نکاح نہ کرنے پائے مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر کوئی زانی یا مشرک اور مومنوں پر یہ حرام ہے)۔ دو چیزوں کا ایک ساتھ اجتماع بغیر کسی اشتراک کے نہیں ہوتا۔ اس اصل کو سامنے رکھ کر آدمی جب غور کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مشرک اور چھنال عورت میں نہایت گہری اخلاقی مناسبت ہے۔ چھنال عورت اپنے تئیں ایک مرد کے حبالۂ عقد میں دیتی ہے۔ اس کو اپنی حرمت کا مالک بناتی ہے۔ اس سے نان نفقہ اور تمام حقوق حاصل کرتی ہے لیکن اس کے باوجود شوہر کے حق اور اس کی حرمت میں ایک غیر مرد کو شریک کرتی ہے۔ ٹھیک یہی حال ایک مشرک کا ہے

وہ خدا سے ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔ "بلیٰ" کہہ کر اس کے ساتھ اپنی بندگی کا عہد باندھتا ہے۔ رہتا اس کے گھر میں ہے، کھانا اس کا کھاتا ہے، پانی اس کا پیتا ہے، کپڑے اس کے دیے ہوئے پہنتا ہے اور اس کے پاس جو کچھ بھی ہے سب اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ بندگی غیر کی کرتا ہے۔ محبت کا دم دوسروں کے لیے بھرتا ہے۔ یہ اخلاقی حالت ایک زانیہ کی ہو سکتی ہے یا ایک مشرک کی۔ روئے زمین پر یہی دو بے وفائیاں ایسی ہیں جو ایک دوسرے کے لیے مشبہ اور مشبہ بہ کا کام دے سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکوں کو قرآن نے "خائن" بھی کہا ہے اور خیانت عورت کی بے وفائی اور عہد شکنی کے لیے عربی زبان کا ایک متداول لفظ ہے۔

یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہو گیا کہ قرآن مجید میں کیوں بار بار یہ بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری خطاؤں کو جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا مگر شرک کو نہیں معاف فرمائے گا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایک شریف اور غیور شوہر اپنی بیوی کی ہر غلطی معاف کر دے سکتا ہے لیکن اس کی بے وفائی کو ایک لمحہ کے لیے بھی معاف نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو وہ دیوث، کمینہ، لئیم اور بے غیرت جانور ہے۔ جب انسان کی غیرت کا یہ عالم ہے تو پھر اس کی غیرت کا تصور کون کر سکتا ہے جس کے جمالِ غیرت کے ایک ادنیٰ پرتو سے یہ تمام عالم جمالِ عفت و حمیت سے نورانی ہوا۔ وہ اس بندہ کو کیسے معاف کر سکتا ہے جس نے غیر کی بندگی کا داغ اپنے دامن پر لیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے اَلْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ اس آیت کے اسمائے حسنیٰ میں سے خصوصیت کے ساتھ "متکبر" کی صفت پر غور کرنا چاہیے اور پھر اس بات کو دیکھنا چاہیے کہ اس کے ساتھ ہی کس طرح شرک کا رد اور اس سے اپنی تنزیہہ فرمائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو متکبر ہے اور جس کے سوا کسی کے لیے بھی کبریائی زیبا نہیں ہے اس کی غیرت و کبریائی کبھی کسی شریک کو گوارا نہیں کر سکتی۔

زنا اور شرک کی اسی مشابہت کی وجہ سے شرک کو جگہ جگہ رجس (ناپاکی) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا

ہے اور مشرکوں کو "نجس" کہا گیا ہے۔ اور یہی راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان خائنوں سے اپنے حرم کو پاک کرنے کا حکم دیا کہ خدا اپنے حرم میں یہ بے حرمتی گوارا نہیں کر سکتا اور یہی وجہ ہے کہ جو جماعت اس نجاست میں آلودہ ہو جاتی ہے وہ اللہ کے قہر و غضب کی زد میں آجاتی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ شرک کی شناعت سے واقف ہیں وہ پہلے سے اس قوم کی موت کا فیصلہ کر دیتے ہیں جو شرک کے جراثیم قبول کر لیتی ہے۔ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ۔

شرک سے خدا کے حقوق جس طرح تلف ہوتے ہیں یہ بالاجمال اس کا بیان تھا۔ اب اس پہلو پر غور کیجیے کہ شرک خود اپنے نفس پر بھی سب سے بڑا ظلم ہے اور اس اعتبار سے بھی یہ دنارت اور ذالت ہی ہے۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت بخشی ہے اور اس کو جو قوتیں اور قابلیتیں عنایت کی ہیں اگر وہ دنا توانیوں یعنی بچپن اور بڑھاپے کی بیچارگیوں کے درمیان گھری ہوئی نہ ہوتیں تو اس کے لیے دعوائے فرعونی بھی ناموزوں نہ تھا۔ اس کی طبیعت کے علاوہ تمام کائنات پر اس کے شرف و مزیت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ کسی کی بندگی کرنے کے بجائے خود معبود بننے کا خواہشمند ہوتا۔ لیکن ان تمام عظمتوں کے باوجود جب وہ دیکھتا ہے کہ نہ میں خود اپنے آپ کو اس دنیا میں لایا نہ یہاں اپنے آپ کو رکھنے پر قادر ہوں اور نہ میں نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کسی چیز کو بنایا نہ ایک مکھی یا جھنگے کے بنا سکنے کی بھی مجھے قوت حاصل ہے تو وہ ضعف و عجز کے تذلل اور شکر و سپاس کے خشوع کے ساتھ ایک ان دیکھی ہستی کے سامنے اپنے تئیں ڈال دیتا ہے۔ اور یہ وہ اس لیے کرتا ہے کہ ایسا کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ اس کے بغیر نہ اس کی عقل مطمئن ہوتی، نہ اس کے دل کو چین نصیب ہوتا، نہ اس کائنات کا معمہ حل ہوتا۔ یہ کر چکنے کے بعد اس کے دل کی ساری پریشانیاں اور عقل کی ساری الجھنیں دور ہو جاتی ہیں اور کائنات کے اسرار کو حل کرنے کے لیے وہ سراغ جاتا ہے جس سے ساری گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اس

ایک کے سوا کچھ اور بھی ہیں جن کے آگے سر جھکانا ہے تو اس کا بار ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ وہ تو یہ کہہ کے الگ ہو جائے گا کہ میرے علوئے نفس نے یہ ایک کے آگے پست ہونا اس لیے گوارا کر لیا کہ اس کے بغیر پناہ نہیں۔ اور اس کے بارے میں ہم اور تم دونوں متفق ہیں۔ باقی اس کے علاوہ جن کا ذکر کرتے ہو ان کی دلیل لاؤ۔ مجھے خواہ مخواہ بہت سے خدا بنانے کا شوق نہیں ہے۔ میرے لیے تو ایک ہی رب و مولیٰ بس ہے۔ جب کوئی غلام یہ پسند نہیں کرتا کہ کئی آقاؤں کی غلامی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالے تو میں یہ ذلت و دنارت کیوں گوارا کروں۔ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۔ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (زمر۔ ۲۹)۔ لیکن جو دنی الفطرت تھے انھوں نے اپنے نفس کی کوئی قدر نہیں کی اور خدا کی خلافت کا رتبہ پا کر انھوں نے اپنے حقیر سے حقیر خادموں اور اپنے ہی جیسے انسانوں کو اپنا رب بنایا۔ اور اپنے نفس کی وہ اہانت کی جس سے بڑی کوئی اہانت نہیں ہو سکتی۔ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اور وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ الخ میں اسی رذالت و دنارت کی طرف اشارہ ہے۔

ختم شدہ کتابیں دوبارہ چھپ رہی ہیں۔ انتظار فرمائیں